برقی تصویر

(چھٹی اور آخری قسط) مفتی شعیب عالم

تصویر: ایک عرفی حقیقت

ارسطو کے بقول ''تعریف علم کی ابتدا و انتہا ہے''۔ ابتدا بایں معنیٰ ہے کہ کسی شئے کا علم حاصل کرنے کے لیے ہمیں اس کا واضح اور صاف تصور حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، جب کہ شئے کا واضح اور صاف تصور اس کی تعریف سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے معلمین اور مصنفین آغاز ہی میں مطلوبہ شئے کی تعریف کر دیتے ہیں۔

اس اصول کا تقاضا تھا کہ پہلے قدم پر تصویر کی تعریف ذکر کردی جاتی اور اس کے بعد دیگر مباحث پر خامہ فرسائی کی جاتی، مگر جان بوجھ کر اس فنی اصول اور علمی اسلوب کو اس لیے نظرانداز کیا گیا کہ تصویر کی تعریف کرنا اسے دھندلا اور مبہم بنانا ہے۔ تصویر ایک جانی پہچانی حقیقت ہے، ہر ایک اسے جانتا اور سمجھتا ہے۔ عام لوگ جسے تصویر کہتے ہیں، شریعت بھی اسے تصویر کہتی ہے، اس وجہ سے تصویر کی تعریف نہ صرف مشکل، بلکہ بہت مشکل ہے (۱) کیونکہ تصویر کی جو بھی تعریف کی جائے گی اس سے مقصود تصویر کے مفہوم کی تعیین وتحدید اور اس کی حقیقت کا بیان اور وضاحت ہوگی، جب کہ یہ لفظ خود اتنا واضح ہے کہ اس سے زیادہ اس کی وضاحت ممکن نہیں ہے۔ واضح اشیاء اور سادہ تصورات کی تعریف اسی لیے بہت مشکل ہوتی ہے کہ ان سے زیادہ واضح، صاف اور سادہ الفاظ دستیاب ہی نہیں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ فقہی کتابوں میں حرمتِ تصویر کی علت سے تو بحث ملتی ہے، تصویر کے احکام تو مذکور ہیں، اس کے انواع و اقسام کا تذکرہ تو موجود ہے، مگر تصویر کی کوئی جامع و مانع اور نپی تلی تعریف دستیاب نہیں ہے۔ احادیث و آثار میں بھی تصویر اور تصویر سازی کی حرمت تو مذکور ہے، مگر تصویر کی حقیقت و ماہیت نہیں بیان کی گئی ہے۔

ایسے میں لغتِ عرب کی طرف رجوع لازم ٹھہرتا ہے، کیوں کہ شریعت جب بندوں سے مخاطب ہوتی ہے تو عربی لغت کو ذریعۂ اظہار اور وسیلۂ بیان بناتی ہے۔ اگر لغت شریعت کو ایسا لفظ فراہم کردے جو شریعت کے مزاج اور مطلوبہ معیار پر پورا اترتا ہو تو لفظ کا لغوی معنیٰ ہی اس کا شرعی

معنیٰ ٹھہرتا ہے، لیکن اگر لغت قاصر رہے تو شریعت اپنے منشاء ومزاج کے مطابق لغت میں تصرف کرتی ہے۔ کبھی لفظ کے مفہوم کو وسعت دیتی ہے، جب کہ اکثر وبیشتر حدود وقیود کا اضافہ کرکے اُس کے دائرے کو تنگ کردیتی ہے۔ بیع، صوم وصلاۃ وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

اگرچہ لغت سے شریعت مقدم ہے، مگر تصویر کے معاملے میں شریعت کا رویہ کچھ اس طرح ہے کہ اس نے بے جان اور جان دار کی تخصیص تو کردی ہے، مگر اس نے زیادہ تحدید وتعیین سے کام نہیں لیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس لفظ کے لغوی مفہوم کو برقرار رکھنا چاہتی ہے، اس لیے جو تصویر کا لغوی مفہوم ہوگا، وہی اس کا شرعی مفہوم قرار دیا جائے گا۔

تصویر از روئے لغت:

لغت کی رو سے یہ لفظ مصدر ہے، مگر مصدری معنی میں نہیں، بلکہ مفعولی معنیٰ میں مستعمل ہے۔ ''صورت'' اس کا مادہ ہے، جس کا مطلب، شکل، چہرہ مہرہ اور ظاہری خط وخال اور نقش ونگار ہے۔ مفردات میں امام راغبؒ نے صورت کے بیان میں لکھا ہے:

''الصورة:ما ینتقش به الأعیان، ویتمیز بها غیرها ،وذلک ضربان: أحدهما: محسوس یدرکها العامة والخاصة،بل یدرکه الإنسان وکثیر من الحیوان، کصورة الإنسان والفرس والحمار بالمعاینة ، والثانی :معقول یدرکه الخاصة دون العامة ،کالصورة التی اختص الإنسان بها من العقل والرؤیة ، والمعانی التی خص بها شیء بشيء''۔ (۲)

ترجمہ:......''کسی عین یعنی مادی چیز کے ظاہری نشان اور خط وخال جس سے اسے پہچانا جاسکے، اور دوسری چیزوں سے اس کا امتیاز ہوسکے، یہ دو قسم پر ہے: ا......محسوس، جن کا ہر خاص وعام ادراک کرسکتا ہو، بلکہ انسان کے علاوہ بہت سے حیوانات بھی اس کا ادراک کرلیتے ہیں، جیسے: انسان، فرس، حمار وغیرہ کی صورتیں دیکھنے سے پہچانی جاسکتی ہیں۔۲......صورت عقلیہ: جس کا ادراک خاص خاص لوگ ہی کرسکتے ہوں، اورعوام کے فہم سے بالاتر ہوں، جیسے: انسانی عقل وفکر کی شکل وصورت یا وہ معانی یعنی خاصے جو ایک چیز میں دوسری سے الگ پائے جاتے ہیں''۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی تصویر کا یہی معنی بیان کیا ہے:

''جیسے قابل انعکاس فقط صورتیں ہی ہوتی ہیں، مادہ کو اس سے علاقہ نہیں، ایسے ہی قابل ادراک واحساس بھی یہ صورتیں ہی ہوتی ہیں، مادہ کو اس سے علاقہ نہیں، چناں چہ ظاہر ہے، کون نہیں جانتا، جسم اگر نظر آتا ہے تو اس کی تقطیع اور

رنگ ہی نظر آتا ہے اور کیا نظر آتا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ یہی تقطیع اور رنگ مسمّٰی بصورت ہے.... ''صورت ایک تقطیع کا نام ہے۔''(۳)

بہر کیف صورت کا مطلب شئے کے ظاہری نقوش اور خط وخال ہیں، جس سے شئے کی شناخت اور پہچان ہوتی ہے، اور وہ دوسری اشیاء سے الگ اور ممتاز ہو جاتی ہے۔ اسی ''مابه الامتیاز'' کو صورت کہتے ہیں۔

احادیث میں جہاں ''صورت'' کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد ''تصویر'' ہے اور تصویر سے مراد مطلق تصویر نہیں ہے، بلکہ جاندار کی تصویر ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے حوالے سے فیض الباری میں ہے:

''ولينظر فی هذا اللفظ ليتضح أن لفظ الصورة هل يختص بالحيوان فقط أو يستعمل فی غير هذا أيضاً والظاهر أن أغلب استعماله فی الحيوانات ......فدل علی أن الصورة فی ذهن الشارع تستعمل للحيوانات وإلا فلا بأس بصورة الشجرة'' (۴)

ترجمہ:......''اس لفظ (صورت) میں اس پہلو سے غور کرنا چاہیے کہ اس کا استعمال صرف جاندار کے ساتھ خاص ہے یا اس کے علاوہ بھی اس کا استعمال ہوتا ہے؟ ظاہر یہ ہے کہ اس کا غالب استعمال جانداروں کے لیے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ شارع کی مراد اس لفظ سے جانداروں کی تصویر ہوتی ہے، ورنہ درخت کی تصویر بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے''۔

''صورت'' کے لفظ سے ''تصویر'' بنا ہے، جو باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس باب کی خاصیت ''جعل وصنعت'' ہے، اس لیے از روئے لغت تصویر کا مصنوع انسانی ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے تصویر کا معنی صورت بنانا، صورت گری اور پیکر سازی کیا جاتا ہے۔ ان مترادف تراجم میں انسانی صنعت گری کا مفہوم واضح طور پر پایا جاتا ہے اور اس قدر معنی پر اہل لغت کا اتفاق معلوم ہوتا ہے اور یہ معنیٰ برقی شبیہ پر بھی صادق آتا ہے۔

''إن الوعيد لاحق بالشكل والهيئة وذلک غير جوهر''۔(۵)

ترجمہ:......''وعید کسی شئے کی صورت اور ہیئت کے بارے میں وارد ہے اور وہ جوھر نہیں ہے''۔

'' تستعمل هذه الكلمة فی معنیٰ شكل الشیء ،فيقال مثلاً :صورة الأرض وصورةحمار ''۔ (۶)

ترجمہ:......''یہ کلمہ کسی چیز کی شکل کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: زمین کی شکل اور گدھے کی شکل وغیرہ''۔

’’فهذہٖ الأحاديث قاضية بعدم الفرق بين المطبوع من الصور والمستقل لأن اسم الصورة صادقة على الكل إذ هى كما فى كتب اللغة الشكل ‘‘۔(۷)

ترجمہ:......’’یہ احادیث اس بارے میں فیصلہ کن ہیں کہ چھپی ہوئی اور مستقل تصویروں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیوں کہ صورت کا مطلب لغت میں شکل ہے اور یہ معنی سب پر صادق آتا ہے‘‘۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصور ہونے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ جاندار اشیاء کے مشابہ اشکال بنائے۔

’’قال الخطابی : المصور هو الذی يصور أشكال الحيوان ‘‘۔ (۸)

ترجمہ:......’’یعنی مصور وہ ہے جو جاندار اشیاء کی شکلیں بناتا ہے‘‘۔

اختلافی نکتہ:

اختلاف یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ بعض تعریفوں میں تصویر کی تعریف اور مصور کے بیان میں کاغذ، کپڑے اور دیوار وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ان اشیاء کے اندر ایک مشترک خصوصیت ان کا ٹھوس ہونا بھی ہے اور اسی مشترکہ صفت اور قدر مشترک کو بنیاد بنا کر تصویر کی تعریف میں ایک لازمی شرط کے طور کہا جانے لگا ہے کہ تصویر کے لیے ’’کسی ٹھوس سطح پر منقش ہونا ضروری ہے۔‘‘

مقصود اس استدلال سے برقی شبیہ کو تصویر کی تعریف سے خارج کرنا ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے محل پر اس طرح نقش نہیں ہوتی، جس طرح حروف کاغذ پر ثبت رنگ دیوار پر نقش اور نقوش پتھر پر کندہ ہوتے ہیں۔مگر یہ استدلال غور وفکر چاہتا ہے، کیونکہ اس کا حاصل استقراء کے ذریعہ قاعدہ کلیہ کی تشکیل یا لغت کا اثبات ہے، جب کہ لغت کے میدان میں اس کی ممانعت ہے۔صاف لفظوں میں’’قیاس کے ذریعے لغت کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔‘‘

مزید یہ کہ استقراء بھی تام نہیں، بلکہ ناتمام ہے، کیوں کہ ایک تو ایسی تعریفات دستیاب ہیں، جن میں ٹھوس اشیاء کا ذکر ہی نہیں اور جن تعریفات میں ٹھوس اشیاء کا ذکر ہے، ان میں بھی بعض کے اندر دیوار اور کپڑے وغیرہ کے ساتھ ’’غیرها‘‘ کا لفظ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل لغت نے تعریف کو خوب عموم اور وسعت دی ہے اور آئندہ کی امکانی صورتوں کو بھی داخل تعریف رکھنے کی گنجائش رکھی ہے۔

علاوہ برایں: اس شرط کی بناء پر ہمیں ایک قیاسی بنیاد حاصل ہوجاتی ہے، مگر کوئی یقینی بنیاد ہاتھ نہیں آتی ہے، جب کہ تعریف کے لیے ہمیں کسی ظنی اور تخمینی سہارے کی نہیں، بلکہ پختہ اور ٹھوس بنیاد کی ضرورت ہے، کیوں کہ تعریف میں کسی شئے کی اساسی صفات اور ضروری خواص کو بیان کیا جاتا ہے، جن کی موجودگی اس شئے کے لیے لازم ہوتی ہے، جب کہ ٹھوس سطح پر نقش ہونے کی شرط

ایک یقینی نہیں، بلکہ ظنی سی شرط ہے اور اس ظنیت کی وجہ سے تنازع حل نہیں ہوتا، بلکہ اسی جگہ ٹھہرا رہتا ہے، جہاں سے شروع ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ٹھوس سطح پر منقش ہونے کی شرط اتنی اہم اور ضروری تھی تو ایک ایک لفظ کے لیے بادیہ پیمائی اور صحرا نوردی کرنے والے محققین اہل لغت ایسی جوہری اور بنیادی شرط کس طرح نظر انداز کر گئے؟

بہرکیف جو علماء کرام برقی شبیہ کو تصویر تسلیم نہیں کرتے، ان کا استدلال یہ ہے کہ برقی شبیہ چونکہ اس طرح اپنے محل پر نقش نہیں ہوتی، جس طرح رنگ دیوار پر، اور حروف کاغذ پر نقش ہوتے ہیں، اس لیے برقی تصویر حرام تصویر کے ذیل میں نہیں آتی ہے۔ اس نظریے کے حامل اہل علم جب قائم اور پائیدار کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد یہی ہوتی ہے۔

اوپر ذکر ہو چکا کہ تصویر کا لفظ بذات خود اپنے اندر کوئی اجمال یا ابہام نہیں رکھتا ہے، مگر جب قائم اور پائیداری کی وہ تفسیر کی جائے جو جواز کے قائل علماء کرتے ہیں، اور اسے تصویر کے لیے لازمی شرط قرار دیا جائے تو برقی شبیہ کے تصویر ہونے یا نہ ہونے میں شک اور ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر ہم برقی شبیہ کو اس زاویہ سے دیکھیں کہ اپنے اصل کا مستقل عکس ہے جو اپنے اصل کے تابع نہیں ہے، بلکہ اس سے بے نیاز ہے تو برقی شبیہ تصویر نظر آتی ہے۔ اور اگر اس پہلو سے دیکھیں کہ اپنے محل پر چسپاں نہیں ہے، جس طرح رنگ و روغن سے بنی ہوئی تصویریں اپنے محل پر چھپی ہوئی ہوتی ہیں تو عکس کے ساتھ اس کی مشابہت قوی ہو جاتی ہے۔ ان دو متضاد اوصاف اور متباین خصوصیات کی بنا پر اور زاویۂ نظر کے اختلاف کی وجہ سے تصویر کا لفظ اپنے بعض مادوں (برقی شبیہ) کے بارے میں مبہم ٹھہرتا ہے۔ زیادہ صاف لفظوں میں ایک لفظ فی نفسہٖ واضح ہے، مگر اس کے ایک فرد کے بارے میں ذو جہتین ہونے کی وجہ سے شک پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اس لفظ کے تحت داخل ہے یا نہیں؟

عرف: ایک فیصلہ کن عامل

ایسے موقع پر جب تصویر اپنے بعض مادوں میں مبہم ٹھہرتا ہے، ابہام کے ازالے، اجمال کی تفسیر، مشکل کی تعیین، جھگڑے کے تصفیے اور نزاع کے خاتمے کے لیے عرف کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ عرف ہی اس مسئلے میں فیصلہ کن کردار ادا کر سکتا ہے۔

”کل ماورد بہ الشرع مطلقاً ولا ضابط لہ فیہ ولا فی اللغة یرجع فیہ إلی العرف“۔

ترجمہ:......”جو چیز شریعت میں بغیر کسی قید کے وارد ہوئی ہو اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی قاعدہ ہو، نہ لغت میں اس کی بابت کوئی ضابطہ مقرر ہوا ہو تو اس

کے متعلق عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا‘‘۔

ہر رنگ کے جامع ،فیلسوف اسلام ،شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ایسی ہی صورت حال کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’و إذا ورد النص بصيغة أو اقتضى الحال إقامة نوع مداراً للحكم ،ثم حصل فی بعض المواد اشتباه فمن حقه أن يرجع فی تفسير تلك الصيغة أو تحقيق حد جامع مانع لذلك النوع إلى عرف العرب،كما ورد النص فی الصوم بشهر رمضان ثم وقع الاشتباه فی صورة الغيم فكان الحكم ماعند العرب من إكمال عدة شعبان ثلاثين وأن الشهر قد يكون تسعة وعشرين، وهو قوله ﷺ إنا أمة أمية لا نكتب ولانحسب ، الشهر كذا‘‘۔ (۹)

ترجمہ: ......’’یعنی جب نص میں کوئی خاص لفظ وارد ہو یا صورت حال کا تقاضا ہو کہ کوئی نوع یعنی کلی بات تجویز کی جائے جسے حکم کے لیے علت قرار دیا جائے اور پھر اس کے بعض مادوں میں شبہ پیدا ہو جائے تو بھی مناسب یہی ہے کہ اس لفظ کی وضاحت معلوم کرنے کے لیے یا اس نوع کی جامع و مانع تعریف کرنے کے لیے اہل عرب کے عرف کی طرف رجوع کیا جائے ،جیسا کہ روزے کے متعلق نص میں ’’شهر رمضان‘‘ آیا ہے، پھر ابر کی حالت میں اشتباہ پیدا ہوا (کہ رمضان کب شروع ہوا اور کب ختم ہو؟) اس لیے اس کا حکم وہی ہوگا جو عرب کے عرف میں تھا کہ شعبان کے تیس روزے پورے کرنے چاہئیں، حالانکہ مہینہ کبھی تیس روز کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس کا، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم ناخواندہ امت ہیں، نہ لکھتے ہیں، نہ حساب کرتے ہیں۔ مہینہ کبھی انتیس کا اور کبھی تیس کا ہوتا ہے‘‘۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا کلام اپنے مفہوم اور مدعا میں واضح ہے اور کسی حاشیہ آرائی اور تشریح کا محتاج نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام سے ہم یوں رہنمائی لے سکتے ہیں کہ: ’’حدیث میں تصویر کا نام لے کر اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن تصویر کی کوئی ایسی جامع و مانع تعریف نہیں کی گئی، جس سے تصویر کے ہر ہر فرد کا حال معلوم ہو جائے ،اس لیے ہمیں عرف پر نظر ڈالنی چاہیے کہ اہل عرف تصویر کے لفظ سے کیا سمجھتے ہیں؟ جو چیز عرف میں تصویر سمجھی جاتی ہو، وہ شریعت میں بھی تصویر کہلائے گی۔

مذکورہ بالا نصوص کے تناظر میں اب ہم عرف سے اپنے نزاع کا تصفیہ کراتے ہیں ،مگر عرف کی عدالت میں پیش ہونے سے قبل دو اصولوں کا استحضار ضروری ہے:

۱: ......عرف اور لغت میں ٹکراؤ ہو تو پلہ عرف کا بھاری رہتا ہے۔

۲: ......عرف کے ذریعے لغت کا اثبات جائز ہے۔

لغت کی رو سے تصویر کا اپنے محل پر قائم اور ثابت ہونا ضروری ہے، اس استدلال کے وزن پر گفتگو ہوچکی ہے۔ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ایسا ضروری ہے تو عرف کی رو سے قیام اورثبات کی شرط ضروری نہیں ہے۔اس طرح عرف اورلغت آمنے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اوران میں میدان سج جاتا ہے اور جب دونوں میں تصادم ہوتا ہے تو عرف غلبہ حاصل کرلیتا ہے، کیونکہ جب عرف اورلغت میں ٹکراؤ ہوتو پہلے اصول کی روسے پلہ عرف کا ہی بھاری رہتا ہے۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تصویر کے لیے قیام اورثبات کی شرط ضروری نہیں ہے، کیونکہ عرف نے اس شرط کوختم کردیا ہے، بلکہ دوسرے اصول کی روسے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہنا بھی درست ہے کہ: ''لغت کی رو سے بھی قائم اور پائیداری کی شرط غیرضروری ہے، کیوں کہ عرف سے لغت کا ثبوت جائز ہےاورعرف میں یہ شرط غیرضروری سمجھی جاتی ہے۔

مزید یہ کہ عام لوگ اس فنی باریکی میں نہیں پڑتے ہیں کہ برقی تصویر پائیدار ہے یاناپائیدار؟ یہ بحث صرف علمی حلقوں تک محدود ہے، اورعلمی حلقوں کواپنے اختلاف کا فیصلہ عرف عام سے کرنا چاہیے، کیونکہ ''عرف متفاہم'' کوشریعت نے معتبرقرادیا ہےاورمعتبر کیوں نہ ہو کہ اجماع عملی کی ایک قسم ہے۔

ہماری اس گفتگو پر''مصادرۃ علی المطلوب '' کا خیال ہوسکتا ہے،جس میں دعویٰ اوردلیل ایک ہی ہوتے ہیں اوردعویٰ کو ہی بطوردلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔کوئی صاحبِ علم کہہ سکتا ہے کہ عرف میں برقی تصویر کا تصویر ہونا محض دعویٰ ہے جوثبوت کا محتاج ہے۔جس قدر گفتگو ہوچکی ہے، اس کے پیش نظر اس دعویٰ کو مزید مدلل کرنے کی ضرورت تو نہیں، تاہم فائدے سے خالی بھی نہیں، اس لیے اہل علم کے غوروفکر کے لیے چند نکات کا پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آئینہ بنانے، آئینے کے سامنے آنے، آئینہ کسی کے سامنے کرنے اورآئینے سے پردہ ہٹانے کو کوئی بھی تصویرکشی نہیں کہتا اور نہ ہی آئینے میں نظر آنے والی پرچھائیوں کو کوئی تصویر کہتا ہے، مگر برقی آلات پر ہونے والے تماشوں اوران کی جلوہ گاہوں پر ہونی والی نقل وحرکت کو سب تصویر سمجھتے ہیں۔ ''تصویر دھندلی ہے، تصویر صاف نہیں، آواز آتی ہے تصویرنہیں، قریب کرنے سے تصویر کے پکسلز پھٹ جاتے ہیں، تصویر ہل گئی ہے، موبائل نہ ہونے کی وجہ سے میں تصویر نہ لے سکا، فلاں کا موبائل تصویروں سے بھرا ہوا ہے۔'' اس قسم کے جملوں سے بخوبی عوام الناس کے عرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

آئینے کے روبروکھڑے شخص کو کوئی بھی نہیں کہتا کہ وہ تصویر بنوارہا ہے، اور نہ ہی وہ خود اس اہتمام سے کھڑا ہوتا ہے، جس طرح کیمرے کے سامنے لوگ کھڑے ہوتے ہیں، مگر کیمرے کے سامنے کھڑے شخص کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ تصویر بنوارہا ہے۔

جولوگ گھر میں ٹی وی رکھتے ہیں، وہ اپنے اس فعل بد کے جواز کے لیے مختلف حیلے تراشتے ہیں، مثلاً: ''خبریں سننے کوملتی ہیں، معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، بچے باہر جانے سے محفوظ رہتے

ہیں اور غلط ماحول سے ان کی حفاظت ہوتی ہے، اب یہ زمانے کی ضرورت ہے۔'' مگر کوئی بھی ٹی وی کے جواز کے لیے یہ دلیل نہیں تراشتا کہ ٹی وی دیکھنا گویا آئینہ دیکھنا ہے اور آئینہ دیکھنا جائز ہے تو ٹی وی دیکھنا کیسے ناجائز ہوسکتا ہے؟

عوام کے علاوہ خواص کا عرف بھی برقی شبیہ کو تصویر سمجھنے کا ہے۔ محترم افضال احمد صاحب نے اپنی کتاب میں ''ٹی وی اور ویڈیو کے شرعی احکام'' ماہرین کی تحقیقات علاوہ اس مضمون کے کئی حوالے نقل کیے ہیں، جن میں ٹی وی کے منظر کو تصویر قرار دیا گیا ہے۔ بطور نمونہ ایک دو حوالے ملاحظہ کیجیے:

''انسائیکلو پیڈیا انٹرنیشنل'' میں ہے:

''ٹی وی اور ریڈیو کے درمیان واضح وظاہر فرق یہ ہے کہ ٹی وی میں ایک تصویر بجلی کے کرنٹ میں مبدل ہوجاتی ہے (یعنی ذرات) پھر وہی کرنٹ آگے چل کر دوبارہ تصویر اول کے مانند ہوجاتے ہیں۔'' (۱۰)

''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا'' میں تصویر کشی کے متعلق لکھا ہے:

''بذریعہ کیمرا شکل وصورت اتار کر اس کو بجلی و برقی ذرات میں بدل کر ویڈیو کے ذریعہ سے یہ ذرات آلہ مسمیٰ ریسیور تک پہنچائے جاتے ہیں، پھر یہ آلہ ان ذرات کو تصویری ٹیوب کے ذریعے دوبارہ تصویر میں بدل دیتا ہے اور یہ تصویر بالکل اصل کے مطابق ہے۔'' (۱۱)

''والتلفزة هی استخدام الکهرباء واللاسلکی فی نقل صور الأشیاء الثابتة أو المتحرکة واستقبالها ثانیاً عند مسافات بعیدة وهذه العملیة تتناول خطوات عدیدة ،شرحناها فی بعض مؤلفاتنا۔'' (۱۲)

گزشتہ سطور میں عرف اور لغت کے حوالے سے جو بحث ہوئی، اس سے یہ تاثر لیا جاسکتا ہے کہ تصویر کے لیے دوام اور قیام کی شرط میں عرف اور لغت کا اختلاف ہے، حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں ہے۔ برقی تصویر کے حوالے سے دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اہل لغت کے بیان کردہ معانی اپنے اپنے عرف پر مبنی ہیں۔ چونکہ مختلف زمانوں میں تصویر سازی کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں، اس لیے اہل لغت نے تصویر کے بیان میں اپنے اپنے زمانے میں مروج شکلیں بیان کردی ہیں، جن سے ان کا مقصود حصر نہیں ہے، بلکہ اپنے عہد کا اسلوب اور طریقۂ تصویر سازی ہے۔ اگر حصر مراد ہوتا تو جدید لغات میں فوٹو اور ٹی وی کی تصویر کو تعریف میں شامل نہ کیا جاتا۔

قانون بھی عرف کی تائید کرتا ہے۔ اس سلسلے میں امریکی عدالت کا حوالہ بہت ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک مقدمہ جس کی مختصر روئیداد یہ ہے کہ ہاکنگز نامی شخص کے زیر قبضہ بچوں کی فحش

ڈیجیٹل تصاویر تھیں، اور کچھ اس نے بذریعہ کمپیوٹر نشر کردی تھیں۔ ملزم پکڑا گیا، پہلے تو اس نے اعترافِ جرم کیا، جس کی بناء پر اس پر فردِ جرم عائد کردی گئی، مگر پھر اس نے خود ہی اپنی سزا کے خلاف بالا عدالت میں اپیل دائر کی، اور یہ موقف اختیار کیا کہ قانون کی رو سے g.v.f فائلز بصری تصاویر کی ذیل میں نہیں آتیں، اس لیے اس پر عائد کردہ سزا غیر قانونی ہے۔

دراصل جس وقت یہ وقوعہ ہوا تھا، اس وقت کا نافذ العمل قانون یہ تھا کہ بصری تصاویر میں غیر ڈیولپ شدہ فلم اور ویڈیو ٹیپ شامل ہیں، مگر اس میں کمپیوٹر ڈیٹا کا ذکر نہیں تھا۔ ملزم نے قانون کے اس ابہام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ اس کا فعل مذکورہ قانون کے زیر اثر نہیں آتا، اس لیے اسے بری کیا جائے۔

عدالت اپیل نے اپنے فیصلے میں نافذ قانون کی یہ خامی تو تسلیم کی کہ اسے اس طرح مرتب نہیں کیا گیا ہے کہ اس میں وہ تمام مواد شامل ہو جائے جو بصری تصاویر کی ذیل میں آتا ہے اور ساتھ ہی مقنّنہ (کانگریس) سے قانون کا ابہام دور کرنے کی سفارش بھی کردی، مگر ہاکنگز (ملزم) کی اپیل مسترد کردی اور اپنے فیصلے میں قرار دیا کہ کمپیوٹر تصویر بھی بصری تصویروں کی تعریف میں آتی ہے۔

عدالت نے واضح کیا کہ ۱۹۹۶ء میں قانون کی تشریح کو وسعت دے کر اس میں کمپیوٹر ڈسک میں جمع ڈیٹا کو یا وہ الیکٹرانک ذرائع جو ان کو بصری تصاویر میں بدلنے پر قادر ہوں، شامل کردیا گیا ہے۔

عدالت نے اپنے فیصلے کی تائید میں ایک اور مقدمہ کو بھی بطور نظیر پیش کیا، جس میں ایک شخص نے کمسن بچوں کی مختلف اسٹیجز کے فوٹو گراف لیے اور پھر صفائی و دھلائی کے لیے فلم کمپنی کو بھیج دی، کمپنی نے پولیس کو اطلاع دی، اس شخص نے بھی یہ عذر پیش کیا کہ تفصیلی پراسس سے پہلے اس کا فعل متعلقہ قانون کی زد میں نہیں آتا ہے، مگر عدالت نے اس کی یہ دلیل رد کردی اور اسے سزا سنائی۔ عدالت کا کہنا تھا کہ اس طرح کے مواد کو اگر تصویر کی تعریف میں شامل نہ سمجھا جائے تو بچوں کے متعلق انسدادِ فحاشی کا رائج قانون متاثر ہوگا۔

بہرحال متذکرہ بالا مقدمے کی رو سے ڈیٹا بھی تصویر کی تعریف میں آتا ہے۔ عدالت نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اسے تصویر قرار دیا ہے۔ عدالت کے الفاظ ہیں:

> ”ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ الزام لگائے جانے والے قانون کی رو سے کمپیوٹر g.i.f files بصری تصویر کی تعریف میں آتی ہیں۔“

ان تمام شواہد سے مقصود یہ ہے کہ عرف میں برقی شبیہ تصویر ہے اور عرف کی تائید لغت کی دلالت سے بھی ہوتی ہے، ماہرین کی آراء بھی اسے تقویت پہنچا رہی ہیں اور فہم عامہ بھی عرف کی پشت پناہی کر رہی ہے اور خود عرف اس قدر قوت اور طاقت رکھتا ہے کہ لغت کو بھی عموم اور وسعت دے دیتا ہے، اس لیے عرف کی بدولت لغت بھی برقی تصویر کو شامل ہے۔

نتیجۂ بحث:

۱:...... برقی تصویر کے عکس ہونے کے بارے میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان کے تفصیلی اور تنقیدی جائزے کے بعد راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ برقی تصویر بھی تصویر کی ہی ایک نوع ہے اور حرام ہے۔

۲:...... یہ موقف اس وجہ سے بھی قوی معلوم ہوتا ہے کہ کثرت اس جانب ہے اور اکابر کی اکثریت کا بھی یہی نظریہ ہے۔

۳:...... جو تحقیق اکابر کی تحقیق کے ہم آہنگ اور مطابق ہو اور ان کے مزاج کے موافق ہو، اسی میں خیر اور بھلائی ہے اور اسی میں فتنوں سے بچاؤ اور حفاظت ہے۔

۴:...... اگر دونوں جانب کے دلائل مساوی تسلیم کر لیے جائیں تو احتیاط کا پہلو بھی اسی قول میں ہے۔

۵:...... شریعت کا حساس مزاج اور باریک بین اور دور اندیش نگاہ صرف اس نظر سے افعال کو نہیں دیکھتی کہ اس میں فی نفسہٖ کوئی مضرت یا قباحت ہے، بلکہ اس پہلو سے بھی افعال و اعمال کا جائزہ لیتی ہے کہ وہ مفاسد کا ذریعہ اور قبائح کا وسیلہ نہ بن سکیں۔ اس کی طبیعت ہے کہ وہ جس طرح مفاسد سے روکتی ہے، اسی طرح مفاسد تک پہنچنے والے راستوں پر بھی چوکیاں قائم کر دیتی ہے اور پہرے بٹھا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل مفسدے کے ارتکاب سے پہلے بہت سی رکاوٹوں کو عبور اور بہت سی چوکیوں پر سے گزرنا پڑتا ہے۔ اصولیین نے بھی اسی وجہ سے ''ممنوع لعینہٖ اور ممنوع لغیرہٖ'' کی اصطلاح قائم کی ہے اور فقہاء نے بھی قانون انسداد اور سد ذرائع سے کام لیتے ہوئے بہت سے ایسے افعال کو ممنوع گردانا ہے، جو ظاہری نگاہ میں جائز اور مباح معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ شارع علیہ السلام کا اصل مقصود مفاسد سے روکنا ہے، مگر مقدمات اور وسائل کی ممانعت بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی ہے۔ مفاسد کی برائی تو ہر خاص و عام پر واضح ہوتی ہے اور ہر ایک اسے جانتا اور سمجھتا ہے، مگر مقدمات کا فریب اور اس میں چھپے زہر کا علم وحی کی رہنمائی کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ مقدمات ہمیشہ کثرت میں ہوتے ہیں، جس طرح منزل تک وصول اور ہدف کے حصول کے بہت سے راستے ہوتے ہیں، اس کے برعکس حقیقت ہمیشہ ایک ہوتی ہے۔ حقیقت کی ممانعت کی وجہ سے اس تک پہنچنے والے راستے خود بخود ممنوع ہوجاتے ہیں، مگر نام بنام ان کی ممانعت ممکن نہیں ہوتی ہے، کیونکہ وہ لاتعداد اور لامحدود ہوتے ہیں، اس وجہ سے نفس کو وار کرنے اور شیطان کو اغواء کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ رواج اور سماج میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، اور اتنے سنگین نہیں سمجھے جاتے، اس لیے انسان ان سے مانوس اور طبائع ان کی عادی ہوتی ہیں، اور ان سے پرہیز ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ کبھی یکساں اور غیر متغیر نہیں رہتے ہیں، بلکہ وقت اور زمانے، حالات اور واقعات کے تحت بدلتے رہتے ہیں، اس وجہ سے ان کا فہم مشکل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مقاصد اور حقائق ہر زمانے میں اور ہر جگہ غیر متغیر اور غیر متبدل رہتے ہیں۔ ذرائع کا بذات خود ممنوع

اور قبیح ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ یہ اکثر جائز شکل میں ہوتے ہیں اور انسان ان کے فی نفسہٖ جواز کی وجہ سے ان کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے۔ جتنے بڑے کبائر ہیں، جیسے: زنا، شرک پرستی، قتل اولاد وغیرہ ان کی تاریخ پر نظر ڈالیے، سب کی ابتدا وسائل اور مقدمات سے ہوئی ہے۔

اس بحث کے تناظر میں برقی تصویر کے متعلق جواز اور عدم جواز سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کے مفاسد پر نگاہ ڈالنی چاہیے۔ اگر یہ درست نہ بھی ہو کہ وہ حرام تصویر ہے، مگر اس کا غیر شرعی اور غیر تعمیری استعمال اتنا زیادہ ہے اور اس کے نتائج اتنے سنگین اور مفاسد اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اسے شرعی قانون انسداد کے تحت ممنوع ہونا چاہیے۔ ماقبل میں امریکی عدالت اپیل کا فیصلہ گزر چکا ہے کہ کس طرح مفاد عامہ اور اجتماعی مصلحت کی خاطر اس نے ملزم کو قانون کے ابہام کا فائدہ نہیں اُٹھانے دیا اور ایک چیز جو رائج قانون کے تحت خلاف قانون نہیں تھی، مگر مفاسد کی روک تھام کے لیے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ شرعاً بھی برقی تصویر کو دفع مضرت اور حصولِ مصلحت کے تحت ممنوع قرار دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور اس معاملے میں شریعت اور قانون دونوں ہم خیال اور متفق ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) جو تعریفیں دستیاب ہیں، ان میں سے بعض کو تعریف کی بجائے تمثیل کہنا زیادہ مناسب ہے۔ بعض میں مغالطہ دور ہے یعنی تعریف میں تصویر سے مشتق کوئی لفظ دہرایا گیا ہے۔ بعض میں کوئی ایسا عام تر لفظ استعمال گیا ہے، جس سے تعریف کا دائرہ پھیل گیا ہے اور حد اور محدود کا توازن بگڑ گیا ہے۔ کچھ میں علل اربعہ میں سے کوئی علت ترک کردی گئی ہے۔ الغرض کسی نہ کسی منطقی اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، جس کی بناء پر کسی تعریف پر کلی اطمینان نہیں ہوتا ہے۔ دوسری طرف خود منطقیوں نے معرف اور حد کے بارے میں جو نکتہ آفرینیاں، فنی موشگافیاں اور دقت پسندیاں کی ہیں، ان میں سے اکثر کوہ کندن اور کاہ برآوردن ہیں۔ منطق کی ہزار ہا سالہ تاریخ میں سوائے حیوان ناطق کے کوئی اور ایسی تعریف وضع نہیں ہوسکی ہے جو خود منطقی معیار پر پوری اترتی ہو۔ اور یہ یکتا اور بے نظیر تعریف بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے تابڑ توڑ حملوں سے لہولہان ہے۔ شارح بزدوی شیخ عبدالعزیز بخاریؒ ''خاص'' کی بحث کے تحت فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ منطقی اصولوں کو زیادہ درخور اعتناء نہیں سمجھتے اور ان جھمیلوں میں نہیں پڑتے ہیں، مگر شیخ زین الدین بن ابراہیم ابن نجیمؒ نے ''المنار'' کی شرح ''فتح الغفار'' میں اس موقف کو مسترد کیا ہے۔

(۲) مفردات القرآن (اردو) مترجم: شیخ محمد عبدہٗ فیروز پوری، ص: ۵۹۹، ج: ۲، ط: شیخ شمس الحق، کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور)۔

(۳) قبلہ نما، ص: ۳۲، ط: کتب خانہ قاسمی، سن ۱۹۲۶ء۔

(۴) فیض الباری علیٰ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ، ج: ۶، ص: ۱۱۱، رقم الحدیث: ۵۹۵۱، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت۔

(۵) فیض القدیر، حرف من: ۶/۱۷۳، رقم الحدیث: ۸۸۲۳، ط: مطبعہ مصطفیٰ محمد، ۱۹۳۸ء۔

(۶) دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مادہ: صورۃ: ۱۴/۲/۳۷، ط: دار المعرفۃ بیروت۔

(۷) الاعلام ببیان أخطاء الشیخ القرضاوی فی کتاب الحلال والحرام، تالیف صالح بن فوزان بن عبداللہ آل فوزان، المدرس بکلیۃ الشریعۃ بالریاض۔

(۸) عمدۃ القاری، کتاب اللباس، باب ماوطی من التصاویر: ۲۲/۷۲، ط: رشیدیہ، کوئٹہ۔

(۹) حجۃ اللہ البالغۃ، باب ضبط المبھم وتمییز المشکل والتخریج من الکلیۃ ونحو ذلک، ج: ۱، ص: ۱۱۱، ط: کتب خانہ رشیدیہ دھلی۔

(۱۰) ٹی وی اور ویڈیو کے شرعی احکام، ص: ۱۷۴، سن طباعت: ۱۴۰۷ھ، طابع: اسلامی کتب خانہ، کراچی۔

(۱۱) ایضاً۔ (۱۲) محاضرات الموسم الثقافی، ص: ۴۰، قدری حافظ طوفاں، دار المعارف مصر، ۱۳۷۴ھ۔